المنہل ریسرچ جرنل

AL-MANHAL Research Journal

Publisher: Centre of Arabic & Religious Studies, Sialkot
E-ISSN 2710-5032 P-ISSN 2710-5024
Vol.02, Issue 02 (July-December) 2022
HEC Category "Y"
https://almanhal.org.pk/ojs3303/index.php/journal/index

Title Detail

Urdu/Arabic: اسلامی اقتصادی فکر اور برٹش انڈیا کے مسلمانوں کا جائزہ

English: **An Overview of Islamic economic thought and the Muslims of British India**

Author Detail

1.Dr. Muhammad Hammad Ul Mustafa
Lecturer of Islamic Studies
Superior group of Colleges, Pindi Gheb
Email: hammad.mustafa89@gmail.com

2.Dr. Hafiz Muhammad Saleem
Assistant Professor Mohi-ud-Din Islamic university Nerian shareef AJK
Email: drmuhammadsaleem97@gmail.com

3.Waqar Ahmed
Lecturer Institute of Islamic Studies
Mirpur University of science and Technology (MUST) Mirpur AJK
Email: waqarahmedfaizi@gmail.com

Citation:

Awan, Dr. Muhammad Hammad Ul Mustafa, Dr. Hafiz Muhammad Saleem, and Waqar Ahmed. 2022. " اسلامی اقتصادی فکر اور برٹش انڈیا کے مسلمانوں کا جائزہ: An Overview of Islamic Economic Thought and the Muslims of British India". Al Manhal Research Journal 2 (2). https://almanhal.org.pk/ojs3303/index.php/journal/article/view/28.

Copyright Notice:

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 3.0 License.

اسلامی اقتصادی فکر اور برٹش انڈیا کے مسلمانوں کا جائزہ

An Overview of Islamic economic thought and the Muslims of British India

Dr. Muhammad Hammad Ul Mustafa
Lecturer of Islamic Studies
Superior group of Colleges, Pindi Gheb
Email: hammad.mustafa89@gmail.com

Dr. Hafiz Muhammad Saleem
Assistant Professor Mohi-ud-Din Islamic university Nerian shareef AJK
Email: drmuhammadsaleem97@gmail.com

Waqar Ahmed
Lecturer Institute of Islamic Studies
Mirpur University of science and Technology (MUST) Mirpur AJK
Email: waqarahmedfaizi@gmail.com

ABSTRACT
This article represents an attempt to study and analyse Quaid-e-Azam's views on economic matters of the Muslims of united India and highlights his role to make the Muslims financially sound and his efforts to safeguard the rights of Muslims under British rule. Moreover this work discusses the famous issue of Waqf-al-Awlad, how the issue emerged and how it was settled in favour of the Muslims by the efforts of Quaid-e-Azam.Quaid's outlook on the issue of usury and his strong desires and efforts to eradicate usury from the economy of Pakistan have been elaborated at length. In this research analytical method has been adopted, as the issues discussed have historical back ground.The purpose of this research is to make people of Pakistan realize their responsibility to make Pakistan a true Islamic State following the teachings of Quaid-e-Azam. If people of Pakistan act upon the Quaid's teachings sincerely they may be able to make Pakistan a strong Islamic welfare state in a short period of time.
Keywords: Waqf-al-Awlad, Emerged, Usury, Eradicate

تمہید:

مقالہ ہذا میں قائداعظم کی معاشی فکر اور اس فکر کے تحت مسلمانان ہند کی معاشی حالت کو سنوارنے کے لیے ان کی کامیاب جدوجہد کا جائزہ لیا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ قائداعظم اسلام کے معاشی نظام کو دنیا کے تمام نظاموں پر برتری کے دل وجان سے قائل تھے۔ قائداعظم کی فکر کے علی الرغم پاکستان کے بہت سے پڑھے لکھے لوگ یورپ کے نظریات کو من وعن صحیح گردانتے ہیں حالانکہ مغرب کے اقتصادی نظام نے انسانیت کیلئے انگنت مسائل پیدا کئے ہیں یہ نظام انسانیت کو انصاف مہیا کرنے اور بین الاقوامی انتشار کو ختم کرنے سے یکسر قاصر رہا ہے۔ مغربی دنیا اپنی اعلیٰ ترین صنعتی کارکردگی اور مشین سازی کے باوجود آج تاریخ کے بدترین انتشار کا شکار ہے۔ مغربی اقتصادیات کے نظریئے اور ضابطہ عمل کو اپنا کر

ہمارے لوگ کبھی بھی مطمئن اور خوش حال نہیں ہوسکتے۔ ہمیں اپنی قسمت خود بنانی ہے اور دنیا کو ایک ایسا اقتصادی نظام مہیا کرنا ہے جس کی بنیاد اسلام کے تصور مساوات اور معاشرتی انصاف پر مبنی ہو۔ ہم ایسا کرینگے تو بحیثیت مسلمان اپنے مشن کی تکمیل کر دینگے اور انسانیت کو امن کا پیغام دینگے۔ یہ پیغام ہی کل انسانیت کی بقاء راحت اور آسودہ حالی کا ضامن ہے۔ پاکستان کے معاشی نظام اور اقتصادی پالیسیوں کیلئے اگر ہم قائداعظم کے معاشی نظریئے کو اپنائیں تو پھر ہمیں تعمیر و ترقی کا سنگ میل عبور کرنے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکے گی کیونکہ پاکستان میں نہ افرادی قوت کی کمی ہے اور نہ ہی قابلیت اور وسائل کی اور ہم اپنے ہی وسائل سے اپنے ملک خداداد کو مضبوطی، ترقی اور استحکام کی معراج تک لے جاسکتے ہیں۔

قائداعظم کی شخصیت کا تعارف:

ولادت باسعادت:

قائداعظم کے بزرگوں کا تعلق ملتان سے تھا۔ جو اس زمانہ میں سندھ کا دارالخلافہ تھا۔ قائداعظم کے آباؤ اجداد ملتان سے کاٹھیاوار (گجرات) کی ریاست گوندل میں چلے گئے۔ جو اس ریاست کا صدر مقام اور سب سے بڑا شہر تھا۔ کچھ عرصہ بعد قائداعظم کے والد ماجد جناح بغرض ترقی کاروبار کراچی تشریف لے گئے۔ جہاں 25 دسمبر 1876ء کو بروز اتوار جناح کے ہاں یہ لڑکا پیدا ہوا جو قائداعظم مشہور ہوا۔[1] ماں باپ نے آپ کا نام محمد علی رکھا تاکہ آپ پر اللہ تعالی کی رحمت اور محمد ﷺ کی صفات کا سایہ رہے اور باپ کے نام کی نسبت سے آخر میں جناح کا نام جوڑ دیا گیا اور پورا نام محمد علی جناح پونجا قرار پایا۔ یہ اسی نسبت کی برکت تھی جس نے قائداعظم کو بام عظمت تک پہنچایا اور ایک ایسی نوزائیدہ سلطنت کا حکمران بنایا جو اس کی مخلصانہ اور بغرضانہ جدوجہد سے معرض وجود میں آئی تھی اور جو اس وقت اسلام کی سب سے بڑی سلطنت تھی۔[2]

بچپن:

اللہ تعالیٰ نے جن سے کوئی بڑا کام لینا ہوتا ہے ان کی فطرت میں ہی ایسی صلاحیتیں رکھ دیتا ہے جو بچپن سے ہی اس کی عظمت کی غمازی کرتی ہیں۔ قائداعظم بچپن سے ہی بڑے ذہین و فطین اور محنتی تھے۔ اخلاق بہت اچھا تھا۔ بڑے ہنس مکھ، اپنی باتوں سے اپنے ہم عصروں کو خوب ہنساتے۔ اچھے کپڑے پہنتے صاف ستھرے رہتے اور اچھی چیزیں کھانے کے شوقین تھے۔ تاریخی کتابیں بڑی دلچسپی سے پڑھتے اور جو باتیں اچھی معلوم ہوتیں انہیں نوٹ کر لیتے۔ اپنے بزرگوں والدین اور بڑے بھائی بہنوں کا بڑا ادب کرتے تھے۔[3]

تعلیم و تربیت:

قائداعظم چھ سال کے ہو چکے تھے، مگر انہیں ابھی کم عمر تصور کرتے ہوئے سکول میں داخل نہ کیا گیا، اس لیے انہیں گھر پر گجراتی میں تعلیم دینے کے لیے ایک استاد کی خدمات حاصل کی گئیں۔ نو سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد آپ کو ایک

پرائمری سکول میں داخل کر کر دیا گیا۔ جہاں وہ سال بھر زیر تعلیم رہے۔ مگر اس سکول کا ماحول چونکہ اچھا نہ تھا۔ اس لیے وہاں سے نکال کر سندھ کے معروف مدرسہ، مدرسۃ الاسلام میں داخل کر دیا گیا۔ تاکہ وہ صحیح اسلامی سانچہ میں ڈھل جائے۔[4]

سندھ مدرسۃ الاسلام میں آپ نے اسلامی تعلیم اور قرآن مجید کے ساتھ ساتھ ابتدائی گجراتی کی تعلیم بھی پائی۔ اس دوران کچھ عرصہ کے لیے آپ ممبئی چلے گئے اور وہاں گوکل داس تیج پرائمری سکول اور انجمن اسلام میں پڑھتے رہے۔ لیکن وہاں سے واپسی پر پھر سندھ کے مدرسۃ الاسلام میں داخل ہو گئے جس کے صدر دروازہ پر انگریزی میں یہ کتبہ لکھا تھا۔

"Enter to Learn go forth to serve"[5]

یعنی حصول علم کے لیے آؤ اور خدمت خلق کے لیے جاؤ۔

پندرہ برس کی عمر میں آپ سندھ مدرسۃ الاسلام کو چھوڑ کر سچن مشنری سوسائٹی میں داخل ہو گئے جہاں سے آپ نے دسویں جماعت پاس کی۔ سولہ برس کی عمر میں آپ کی شادی ہو گئی۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد 1892ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے آپ کو لندن بھیج دیا گیا۔[6]

اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن میں درس گاہ کا انتخاب:

لندن پہنچنے کے بعد آپ نے داخلہ کے لیے وہاں کے معروف تعلیمی اداروں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ پھرتے پھراتے جب آپ "لنکن ان" کے صدر دروازہ پر پہنچے تو اس پر "دنیا کے عظیم قانون سازوں" کی ایک فہرست لگی ہوئی تھی۔ جس پر سر فہرست سرکار دو جہاں ﷺ کا اسم مبارک لکھا تھا۔ بنیادی اسلامی اور قرآنی تعلیمات کے اثر سے چونکہ حضور ﷺ کی محبت و عظمت آپ کے دل میں گھر کر چکی تھی اس لیے بورڈ پر سرکار دو جہاں کا نام نامی سر فہرست دیکھ کر اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ اسی ادارہ میں آپ نے بیرسٹر بننے کے لیے داخلہ لے لیا۔ جس کا آپ کو بچپن سے شوق تھا۔ اس راز پر سے قائداعظم نے خود 1947ء میں وکلاء کے ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے یوں پردہ اٹھایا:

"ایک مسلمان کی حیثیت سے میرے دل میں رسول اکرم ﷺ کی جن کا شمار دنیا کے عظیم ترین مدبروں میں ہوتا ہے، بہت عزت تھی۔ ایک دن اتفاقاً میں "لنکن ان" گیا اور میں نے اس کے دروازے پر پیغمبر اسلام کا نام مبارک کھدا دیکھا تو میں نے "لنکن ان" میں داخلہ لے لیا۔ کیونکہ اس کے دروازے پر آپ ﷺ کا نام مبارک دنیا کے عظیم قانون سازوں میں سر فہرست لکھا تھا"۔[7]

سخت محنت کے سبب قائداعظم نے دو سال کے قلیل عرصہ اور 18 سال کی عمر میں بیرسٹری کا امتحان پاس کر لیا۔ 1896ء میں بیرسٹر بننے کے بعد آپ لندن سے کراچی تشریف لے آئے۔ 1902ء میں وکالت کے سلسلے میں آپ بمبئی تشریف لے گئے اور یہاں قائداعظم محمد علی جناح نے سخت مشکلات کا سامنا کرنے کے باوجود بہت حوصلہ اور بہادری

کے ساتھ کام کیا۔ قائداعظم نے دسمبر 1904ء میں ممبئی میں کانگرس کے بیسویں سالانہ اجلاس میں شرکت کر کے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔[8]

مسلمانوں کے معاشی حالات سے دلچسپی:

برصغیر کے مسلمانوں میں معاشی پسماندگی کا آغاز مغلیہ دور کے خاتمے کے بعد سے شروع ہوا اور اس میں بتدریج اضافہ ہوتا چلا گیا۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے جو نیا سماجی و معاشی ڈھانچہ مرتب کیا وہ تمام تر انگریزی زبان، نئی تعلیم اور نئے خیالات پر مبنی تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا متوسط طبقہ جو شاعروں، تاریخ دانوں، علماء و فضلاء، اساتذہ، خطاط، اطباء، منشیوں، جلد سازوں، اسلحہ سازوں اور دیگر فنون لطیفہ کے ماہرین پر مشتمل تھا اس نئے ڈھانچے میں کوئی جگہ نہیں پا سکا۔[9]

نئے برطانوی نظام کے تحت وسیع پیمانے پر سیاسی اور انتظامی عہدے خالی تھے۔ برطانیہ کے لیے اپنے ملک سے بڑے پیمانے پر افرادی طاقت بھیجنا ممکن نہ تھا جبکہ مقامی افراد کم لاگت پر دستیاب تھے لہذا ہندوستان میں مقامی طور پر اسکول اور کالج کھولے گئے تاکہ مقامی لوگوں کو تربیت دے کر ان عہدوں پر لگایا جا سکے۔ ہندو زعماء نے اس صورت حال کا صحیح اور بروقت اندازہ لگا کر ہندو قوم کو انیسویں صدی کی ابتداء سے ہی انگریزی تعلیم پر لگا دیا۔[10] جبکہ مسلمانوں نے اسے مسترد کر دیا اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ انگریزی دور حکومت کی ابتداء سے ہی با اثر مسلمانوں اور عام مسلمانوں کا رویہ عدم تعاون اور مزحمت کا تھا بالخصوص علماء کا نتیجتاً مسلمانوں نے خود اپنے آپ کو ان فوائد سے محروم کر لیا تھا جو خوش دلی سے تعاون کے نتیجے میں حاصل ہو سکتے تھے۔

نئے نظام میں چونکہ عربی، فارسی اور مذہبی تعلیم کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی لہذا مسلمانوں کے پاس آگے آنے کے کوئی مواقع نہیں تھے۔[11] لہذا وہ ابتداء ہی میں حکومتی عہدے حاصل کرنے میں ناکام ہو گئے جبکہ ہندوؤں نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اپنی انگریزی دانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے ابتداء میں معمولی حیثیتوں میں کام کیا پھر بتدریج دولت مند ہوتے چلے گئے۔ نتیجے کے طور پر انہوں نے وسیع پیمانے پر بالخصوص بنگال میں ارازی خریدنی شروع کی۔ یہاں تک کہ اٹھاروی صدی کے اختتام اور انیسویں صدی کے اوائل میں تمام تاجر، بینکار اور قرض دینے والے غیر مسلم تھے۔[12]

سرکاری ملازمتوں کی محدودیت ہی مسلمانوں کی اقتصادی پس ماندگی کا واحد سبب نہ تھا بلکہ برطانوی نظام نے پورے معاشرتی ڈھانچے کو جوہری طور پر تبدیل کر دیا تھا۔ ان تبدیلیوں میں سب سے اہم ترین تبدیلی زمین کی ملکیت کے تصور میں تبدیلی کر کے اسے پرائیویٹ پراپرٹی کی حیثیت دینا تھی۔ اس کے علاوہ سول اور انتظامی نظام سے مسلمانوں کی بے دخلی وغیرہ نے بھی مسلمانوں کو اقتصادی لحاظ سے تباہ کر دیا۔[13]

در حقیقت 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی نے مسلمانوں کو اپنی حالت اور اپنے مذہب کے بارے میں سوچنے پر مجبور کیا مسلمانوں کو مذہب کے دفاع کے ساتھ ساتھ اپنے تشخص اور وجود کا بھی دفاع کرنا تھا۔ ایسے مشکل اور دشوار گزار حالات سے مسلمانوں کو نکالنے کے لیے سر سید احمد خان مسیحا بن کر ظاہر ہوئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا اور مسلمانوں کی تعلیمی، مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ مسلمانوں کے قومی تشخص کو قائم رکھنے کے لیے "دو قومی نظریہ" پیش کیا۔ علی گڑھ کالج قائم کیا۔ سر سید احمد خان کے بعد علامہ محمد اقبال میدان عمل میں آئے اور انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہتر بنائی جائے اور خود مسلمانوں میں موجود معاشی تفاوت کو ختم کیا جائے۔[14] اقتصادی حالت بہتر بنانے میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے حصے میں اضافہ یقیناً ایک قابل تحسین کوشش ہے۔ اکابرین ملت کو اس کے لیے ضرور کوشش کرنی چاہیے۔ تاہم یہ حقیقت بھی مد نظر رہنی چاہیے کہ سرکاری ملازمتیں آمدنی کا ایک محدود زریعہ ہیں جس سے چند افراد مستفید ہو سکتے ہیں لیکن اجتماعی خوشحالی اسی وقت ممکن ہے جب اقتصادی آزادی نصیب ہو۔[15]

اس اقتصادی آزادی کا واحد زریعہ تعلیم کا فروغ ہے اور معاشی ترقی صرف تعلیم کے فروغ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ معاشی زبوں حالی کی وجہ تعلیم کی کمی ہے۔ تعلیم اور اقتصادی ترقی لازم و ملزوم ہیں۔[16]

انگریزوں نے نئے نظام میں مسلمانوں کی اقتصادی پس ماندگی دور کرنے کا کوئی راستہ نہ رکھا بلکہ ایسی پالیسیاں ترتیب دیں جن پر عمل درآمد سے مسلمان مزید معاشی پس ماندگی کا شکار ہو گئے۔ ان پالیسیوں میں ایک اہم پالیسی یہ تھی کہ مسلمان امراء اور زمینداروں کے وقف 1894ء میں ختم کر دیے گئے۔ مسلمانوں نے اس پر بھرپور احتجاج کیا مگر ان کی آواز کسی نے نہ سنی ان حالات میں مسلمان زعماء اور سربر آوردہ قائدین نے سنجیدگی سے مسئلے کا حل ڈھونڈنے کی کوششیں شروع کیں اور قانون وقف علی الاولاد پاس کرانے کی جدوجہد شروع کی۔ لیکن ہندو اور انگریز کی ملی بھگت سے یہ کوششیں ابتداء میں کامیاب نہ ہو سکیں اور بیسویں صدی کے پہلے عشرہ میں مسلمان اس قانون کی منظوری نہ کرا سکے۔ ذیل میں مسئلہ وقف الاولاد کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے۔

وقف کا معنی و مقصد:

وقف کے لغوی معنی "باندھنا یا روکنا" جبکہ قانونی اصطلاح میں اس کے معنیٰ کسی مخصوص جائیداد کو کسی کار خیر کے واسطے ہمیشہ کے لیے فی سبیل اللہ نذر کر دینے کے ہیں۔ فتاوی عالمگیری میں وقف کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ "کسی چیز یا جائیداد کو اپنی ملکیت سے خارج کر کے خالص اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں دے دینا وقف کہلاتا ہے"۔[17]

دوسروں کو نفع پہنچانا، اسلام میں اپنی جائیداد کو ہر اچھے کام کے لیے وقف کر کے دوسروں کو فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے۔ دین اسلام میں یوں تو امور خیر کی فہرست بہت طویل ہے۔ جن میں سے چند ایک کا ذکر یہاں کیا جارہا ہے۔ مثلاً مساجد، سرائیں، مسافر خانے، محتاج خانے یا ہسپتال وغیرہ تعمیر کرنا یا ان کے لیے جائیداد وقف کرنا امور خیر میں داخل ہے اور کار ثواب ہے۔

وقف علی الاولاد بہترین کار خیر:

اسلام میں بہترین وقف وہ ہے جو ضرورت اور حالات کے مطابق ہو۔ لہذا اپنی اولاد، اولاد در اولاد، نسل، اہل خاندان یا اقرباء کے لیے اپنی جائیداد وقف کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ دیگر اوقاف کے مقابلہ میں فوقیت رکھتا ہے۔

شریعت اسلامی میں خیرات اور صدقہ، غیروں پر محدود نہیں، بلکہ خود اپنے اہل وعیال کو دینا بھی صدقہ اور خیرات ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ [18]

نیکی بس یہی تو نہیں ہے کہ اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کر لو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر ایمان لائیں، اور اللہ کی محبت میں اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیں، اور غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ کریں۔ [19]

قرآن مقدس کی ایک اور آیت میں یوں بیان ہوا ہے کہ:

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ [20]

تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں، تم فرماؤ جو کچھ مال نیکی میں خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور راہ گیر کے لیے ہے۔ [21]

صحیح بخاری میں ہے۔

خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی ابداً بمن تعول [22]

اچھی خیرات وہ ہے جو اہل وعیال کے خرچ سے فارغ ہو کر کی جائے اور شروع عیال سے کرو۔

بخاری و مسلم میں ہے۔

عن ام سلمة قالت قلت : یا رسول اللہ الی اجر ان انفق علی بنی ابی سلمة انما هم بنی؟ فقال: انفقی علیهم ، فلک اجر ما انفقت علیهم۔ [23]

ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں ابو سلمہ کے بیٹوں پر صرف کروں تو کیا مجھ کو ثواب ملے گا، وہ تو میرے بیٹے ہی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، ان پر صرف کرو، تم کو اس کا ثواب ملے گا۔

ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی میں ہے۔

الصدقة على المسكين صدقة وهي على ذي الرحم ثنتان صدقة وصلة [24]

مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے اور قرابت دار کو دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔

مسلم میں ہے۔

اذا انفق المسلم نفقة على اهله، وهو يحتسبها كانت له صدقة [25]

جب مسلمان اپنا مال بچوں پر صرف کرتا ہے اور ثواب سمجھ کر کرتا ہے تو یہ خیرات ہے۔

مذکورہ بالا آیات اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا یہ اصول ہے کہ خیرات اور صدقہ جس طرح غیر لوگوں کو دینا کار ثواب ہے، اسی طرح اپنی اولاد، عزیز و اقارب کو دینا بھی باعث ثواب ہے۔ اب ذیل میں مسئلہ وقف علی الاولاد کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لیا جارہا ہے۔

برصغیر میں قانون وقف علی الاولاد کا پس منظر:

انگریزوں نے جب ہندوستان میں اپنے قدم جمائے تو مسلمان قاضیوں کی جگہ انگریز جج لینے لگے۔ چونکہ انگریز جج اسلامی قوانین سے کماحقہ واقف نہ تھے۔ ناچار مسلمان علماء سے رہنمائی لے کر مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلے کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ انہوں نے از خود، بغیر علماء کی رہنمائی کے فیصلے کرنے شروع کر دیے، چونکہ انہیں اسلامی فقہ کی مکمل بصیرت حاصل نہ تھی۔ وہ فیصلوں میں اپنی رائے کو شامل کرنے لگے جس کے نتیجے میں نئے عدالتی ضابطے بننے شروع ہو گئے جو نہ تو مکمل طور پر اسلامی تھے نہ قطعاً غیر اسلامی۔ یوں عدالتی ضابطوں کا ایک ملغوبہ وجود میں آگیا، جسے Anglo Mohammedan Law کہا گیا۔[26]

اگلے مرحلے میں انگریزی حکومت نے ارادتاً اسلامی معاشی نظام کو ختم کرنے کے لیے طرح طرح کی بدعات شروع کیں۔ سب سے پہلے مسلمانوں کے قانون وراثت نے ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔ انگریز مستشرقین نے اسلامی قانون وراثت کو بہت سراہا۔ سر ولیم جونز نے اس قانون کو دنیا میں بے مثال قرار دیا۔ سر جونز کے علاوہ کئی اور محققین نے بھی قانون وراثت کو بہت اہمیت دی۔[27]

انگریز حکام نے اسلامی قانون وراثت بہت جوش و جذبے سے نافذ کیا جس کی شدت مسلمانوں کے لیے طرح طرح کے مسائل کا باعث بن گئی۔ مسلمانوں نے اس سختی کے منفی اثرات سے بچنے کے لیے وقف علی الاولاد کا سہارا لیا۔[28]

وقف علی الاولاد کوئی نئی شے نہ تھی بلکہ صدیوں سے مسلمانوں میں رائج تھی لیکن بعض مسلمانوں نے اپنی وراثت سے بعض افراد کو محروم کرنے کے لیے وقف علی الاولاد کے طریقے کو استعمال کیا تو محروم ہونے والوں نے عدالتوں کا رخ کیا۔

انگریز ججوں نے ایسے مقدمات میں وقف علی الاولاد کو رد کرتے ہوئے اوقاف میں سے تمام ورثاء کو حصے دلانے شروع کر دیے۔ ان حالات میں قانون وراثت اور مسئلہ وقف علی الاولاد بحثوں اور مناظروں کا موضوع بن گیا۔[29]

1877ء میں سر سید احمد خان نے مسلمان گھرانوں کو معاشی تباہی سے بچانے کے لیے "وقف" کے موضوع پر لکھا اور دلائل سے ثابت کیا کہ انگریزی عدالتوں میں رائج قانون وراثت مسلمانوں کے لیے بہت ضرر رساں ہے۔ سر سید نے وقف علی الاولاد کے صحیح استعمال اور اس سے متعلقہ دستاویزات مرتب کرنے کا اسلوب سمجھایا۔ تاکہ مسلمان اس قانون سے مستفید ہو سکیں۔ سر سید کی آراء اس دور میں متنازعہ ہو گئیں۔ کئی مسلمانوں اور انگریزوں نے ان سے اختلاف کیا جبکہ کئی انگریز اہل علم نے سر سید کی تائید کی۔[30]

قانون وقف علی الاولاد اور عدالت عالیہ (پریوی کونسل):

پریوی کونسل کا تعارف:

برصغیر کا ماڈرن جسٹس سسٹم 1726ء میں شروع ہوا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مدراس، ممبئی اور کلکتہ میں میئر کورٹس قائم کیں جو برطانیہ کی میئر کورٹس کی طرز پر تھیں۔ ان عدالتوں کا دائرہ کار 1772ء میں پلاسی کی جنگ کے بعد برصغیر کے تمام جنوبی علاقوں تک پھیلا دیا گیا۔ جب 1857ء کے بعد برطانیہ نے پورے ہندوستان پر قبضہ کر لیا تو ہائی کورٹس بنائی گئیں۔ 1862ء ایکٹ بنایا گیا جس کے تحت پریوی کونسل ملک کی اعلیٰ ترین عدالت بن گئی اور 1872ء میں ایکٹ کو لاء یا قانون بنا دیا گیا۔ ہمارا موجودہ عدالتی نظام تقریباً آج بھی اس طرز پر چلایا جا رہا ہے۔ عدالتی نظام کا جائزہ لیا جائے تو انگریزوں نے یہاں قدیم برطانوی طرز کا طریقہ رائج کیا جس میں سائل ایک عدالت سے دوسری اور دوسری سے تیسری میں طویل عرصے تک انصاف کے حصول کے لیے ذلیل و خوار ہوتا تھا۔ انگریزوں نے اس نظام کے لیے وکیل کی موجودگی بھی لازمی قرار دی۔ اس طرح انصاف کا حصول مزید مشکل بنا دیا، کیوں کہ وکیل مقدمہ کے فریقوں کو سچ کے بجائے جھوٹ بولنے اور اس پر قائم رہنے اور مقدمہ کو طویل کرنے کا راستہ دکھاتے تھے اس طرح مقامی لوگوں کے جھگڑے ختم تو نہ ہوئے بلکہ یہ مقولہ مشہور ہوا کہ دادا کا مقدمہ پوتے کی زندگی میں بھی ختم نہیں ہو سکتا۔ انگریزوں کے اس عدالتی بندوبست میں جب قانون وقف علی الاولاد سے متعلق مقدمات کی سماعت ہوئی تو عدالتی نظام کی کمزوری سامنے آئی اور ججوں نے اسلامی قانون وقف علی الاولاد کے مطابق فیصلے دینے کے بجائے اس قانون کے خلاف فیصلے دیئے۔[31]

ہائی کورٹ میں کئی ایسے مقدمات پیش ہوئے جن میں وقف کی ہوئی جائیدادیں جو بعض ورثاء نے رہن رکھی ہوئی تھیں ان پر عدم ادائیگی قرض کی صورت میں ہندو ساہوکاروں نے قبضے کر لیے۔ دوسرے مسلمان متاثرین نے عدالت کا رخ کیا تاکہ اپنے اوقاف واپس لیں لیکن عدالت نے اس دلیل کے ساتھ اوقاف مسلمانوں کو واپس نہ دلوائے کہ وقف تو ذاتی اغراض و مقاصد کے لیے نہیں ہوتا بلکہ کار خیر میں صرف ہوتا ہے۔ ایسے فیصلوں کو جب مسلمان متاثرین نے برطانیہ کے سب سے طاقتور عدالتی ادارے پریوی کونسل میں چیلنج کیا تو پریوی کونسل نے بھی وقف علی الاولاد کے معاملے میں اپنی رائے سے اسلامی قانون وقف علی الاولاد کے خلاف فیصلہ دیا۔[32]

خاندانی اوقاف کے حوالے سے ہندوستان کی تاریخ میں مشہور ترین مقدمہ ابوالفتح محمد اسحٰق بمقابلہ رسومائے دُر چوہدری ہے۔ 1868ء میں دو بھائیوں محمد عبدالرحمٰن اور عبدالقادر نے "وقف" قائم کیا تھا۔ اول الذکر نے ہندو سے اس وقف کو رہن رکھ کر قرض لیا۔ جب قرض ادا نہ کر سکا تو 1889ء میں ہندو نے بذریعہ عدالت اس اراضی پر قبضہ کر لیا۔ ابوالفتح نے اس فیصلے کو سلہٹ کی عدالت میں چیلنج کر دیا۔ فیصلہ ابوالفتح کے حق میں ہو گیا تو اس ہندو نے کلکتہ ہائی کورٹ کی طرف رجوع کیا۔ 1891ء میں ہائی کورٹ نے ابوالفتح کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ ابوالفتح نے پریوی کونسل میں اپیل دائر کر دی۔ پریوی کونسل نے 1894ء میں فیصلہ ابوالفتح کے خلاف دے دیا۔ جبکہ یہی کونسل بیکانی میاں کے مقدمے کا فیصلہ بھی اسی طرح ہی دے چکی تھی۔ اس فیصلہ لکھنے والے لارڈ ہابہاؤس نے لکھا کہ یہ فیصلہ اسلامی قوانین کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیا گیا ہے۔[33]

وقف علی الاولاد کے مسئلہ پر موافق و مخالف آراء کا جائزہ لینے کا بہت عمدہ موقع یوں پیدا ہوا جب اگست 1892ء میں بیکانی میاں کا مقدمہ کلکتہ کی ہائی کورٹ میں پیش ہوا۔ اس مقدمے میں دو شخصیات بہت اہم تھیں۔ اول جسٹس امیر علی، دوم جے ٹی ووڈروف ایڈووکیٹ جنرل آف بنگال۔ ووڈروف کا کہنا تھا کہ اس مقدمہ میں چونکہ ایک فریق ہندو ہے لہذا اس کا فیصلہ مسلم لاء کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ جبکہ جسٹس امیر علی نے اسلامی فقہ کی کتابوں سے ثابت کیا کہ وقف علی الاولاد اسلام کے مطابق ہے۔ لیکن امیر علی دیگر جج صاحبان کو اپنی رائے کا قائل نہ بنا سکے۔[34]

پریوی کونسل کا مذکورہ فیصلہ آئندہ کے لیے ہر سطح کی عدالتوں کے لیے مثال بن گیا۔ جس سے مسلمانوں میں زبردست اضطراب پیدا ہو گیا۔ لہذا انہوں نے اس فیصلے کو کالعدم قرار دلوانے کے لیے باقاعدہ مہم کا آغاز کر دیا۔

مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد نے پریوی کونسل کے فیصلہ دربارہ وقف علی الاولاد پر اعتراض کیا اور اس مسئلہ میں اسلامی احکام جاری کروانے اور کونسل کے مذکورہ فیصلے کو منسوخ کروانے کے لیے منظم کوشش کا آغاز انہوں نے زمینداروں، وکلاء اور صحافیوں پر مشتمل ایک تنظیم بنا کر مہم کا آغاز کیا۔[35]

1893ء میں مسلمانوں کی پہلے سے قائم سماجی اور سیاسی تنظیموں (جیسے محمڈن لٹریری اینڈ سائنٹفک سوسائٹی اور نیشنل محمڈن اسوسیشن) نے باقاعدہ تحریری صورت میں عرضیاں حکومت کو پیش کیں جن میں واضح کیا کہ پریوی کونسل کا فیصلہ شرع اسلامی کے خلاف ہے لہذا اسے منسوخ کر دیا جائے۔

1906ء میں مسلم لیگ قائم ہو چکی تھی۔ مسلم لیگ نے ابوالفتح محمد اسحٰق کے مقدمہ کے فیصلے کے خلاف قرارداد منظور کی۔ کانگریس نے بھی اس مسئلہ میں مسلمانوں کی تائید کی۔

شعبہ صحافت نے بھی اس معاملے میں اپنا کردار ادا کیا۔ پیسہ اخبار اور دیگر اخبارات نے مذکورہ فیصلے کی مذمت کی اس کو واپس لینے کا مطالبہ کیا۔ اس دلیل کے ساتھ کہ فیصلہ کرنے والے جج حضرات نے فقہ اسلامی پر مہارت تامہ نہیں رکھتے لہذا فیصلہ کرنے میں ان سے خطا ہوئی ہے۔[36]

کئی انگریز شخصیات نے بھی مسلمانوں کے اس مؤقف کی تائید کی جن میں کئی ریٹائرڈ جج شامل تھے۔ حتٰی کہ سر ولیم جنہوں نے کلکتہ ہائی کورٹ کے جج کی حیثیت میں پریوی کونسل کا فیصلہ درست تسلیم کیا تھا۔ 1897ء میں رائے بدل کر مسلمانوں کی حمایت کی۔ Sir Stanlay Alderly جو کہ ہاؤس آف لارڈ کے رکن تھے اور اسلام کو بطور دین قبول کر چکے تھے نے کہا کہ انڈین گورنمنٹ نے دربارہ وقف علی الاولاد کے مسئلہ میں اسلامی احکام جاننے کے باوجود جان بوجھ کر حق کو چھپایا ہے۔[37]

ان تمام تر کوششوں کے باوجود مسئلہ حل نہ ہو سکا اور مسلمان سیاسی قائدین اور حکومت میں ڈیڈ لاک واقع ہو گیا۔ اس صورت حال میں مسلم سیاسی شخصیات نے علماء اسلام سے مدد طلب کی۔ مسلمان اہل علم بالخصوص شبلی نعمانی نے مسلمانوں کے مؤقف کی بھرپور حمایت کی اور عالمانہ انداز میں وقف علی الاولاد کا مسئلہ قرآن و سنت کی بنیاد پر بہت عمدگی سے واضح کیا۔ 1908ء میں مولانا شبلی نے ندوۃ العلماء سے وابستہ علماء کو اس حوالے سے منظم کیا اور نومبر 1908ء میں ان علماء نے وقف علی الاولاد کی تائید میں فتویٰ جاری کیا۔[38]

1908ء میں مارلو منٹو اصلاحات کے نتیجے میں گورنر جنرل کی کونسل اوور صوبائی دستور ساز کونسل میں مقامی نمائندگان کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ قائد اعظم جو کہ اول الذکر کونسل کے ممبر تھے۔ 25 فروری 1910ء کے اجلاس میں سوال اٹھایا کہ آیا حکومت وقف علی الاولاد کے معاملہ میں مسلمانوں کو مطمئن کرنے کا ارادہ رکھتی ہے یا نہیں۔ تو Sir Harvey Adamson نے جواب دیا کہ حکومت پریوی کونسل کے فیصلے کو چیلنج کرنے کے لیے تیار نہیں۔ تاہم اگر مسلمان اراکین کوئی ایسی تجویز پیش کریں جس پر تمام مسلمان متفق ہوں تو اس پر ضرور غور کیا جائے گا۔[39]

1910ء میں مولانا شبلی نے اس مسئلہ پر ایک مقالہ تحریر کیا جس میں پریوی کونسل کے الزامات واعتراضات کا رد بلیغ کیا اور ان کے فیصلے کا غلط ہونا واضح کیا، لیکن حکومت قائل نہ ہوئی۔

مسلمانوں کے جذبات اور مستند علماء کی رائے کے پیش نظر محمد علی جناح نے 17 مارچ 1911ء کو امپیریل کونسل میں "وقف علی الاولاد" سے متعلق ایک بل اس بنیاد پر پیش کیا کہ پریوی کونسل کا فیصلہ اسلامی فقہ کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔ حکومت نے لوگوں کی رائے معلوم کرنے کے لیے اس بل کو مشتہر کیا۔ اس بل کے لیے ساز گار فضا پیدا کرنے میں مولانا شبلی کا بہت بڑا حصہ تھا۔ اس سلسلے میں جناح سے رابطہ پیدا کرنے کا ثبوت ان کے دو خطوں سے ملتا ہے۔ پہلا خط سید محمد محسن خان بلگرامی کو بتاریخ 6 فروری 1911ء کو لکھا گیا۔ اس خط میں شبلی لکھتے ہیں:

مسٹر جینا (قائد اعظم کو اس دور میں محمد علی جینا بھی کہتے تھے) غالباً شرع کے موافق قانون بنائیں گے لیکن انہوں نے مجھ کو نہیں لکھا۔ البتہ مسٹر مظہر الحق سے خط و کتابت ہے۔ میں بمبئی جا کر مسٹر جینا سے ملوں گا۔ اس کے بعد (اس خط میں تاریخ نہیں لکھی) دکن کالج، پونہ کے پروفیسر مولوی عبد الباری ندوی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: وقف کے متعلق مسٹر جینا سے مفصل بحث ہوئی۔ انجمنوں، اخبارات اور خطوط کے ذریعے رائے عامہ ہموار کرنے کے علاوہ شبلی نے حکومت کے پاس ملک کے نامور لوگوں پر مشتمل ایک وفد بھی بھیجا۔ اس سلسلے میں انہوں نے علامہ اقبال کو بھی خط لکھا۔ علامہ اقبال نے 12 جنوری 1911ء کو جواب میں یہ لکھا: افسوس کہ ڈیپوٹیشن میں شریک ہونے سے قاصر ہوں۔ اگر آپ کا ارشاد ہو تو میں چودھری شہاب الدین صاحب بی-اے، وکیل چیف کورٹ سے دریافت کروں۔ وہ نہایت قابل آدمی ہیں اور اس کام کے اہل۔ اگر یہ پسند نہ ہو تو نواب ذوالفقار علی خان اس وقت کلکتہ میں ہیں، آپ ان کو پنجاب کی طرف سے انتخاب کریں اور ان کو لکھ دیں کہ وہ 29 جنوری تک کلکتہ ہی میں ٹھریں۔ مسٹر محمد شفیع بیرسٹر، لاہور بھی اس وقت کلکتہ میں ہیں۔ غالباً وہ آپ کے لکھنے پر 29 جنوری تک وہاں قیام کر سکیں گے۔ جو تجویز پسند خاطر ہو، اس کو عمل میں لائیے۔ علماء کی رائے حاصل کرنے کے بعد اس بل میں مناسب ترامیم کی گئیں۔ جناح نے ایک ممتاز مسلمان قانون دان کی حیثیت سے اس مسئلے میں بڑی دلچسپی لی اور امپیریل کونسل میں نہایت عمدہ انداز میں اس کی وکالت کی۔ آخر کار یہ بل کونسل میں منظور ہوا اور اس طرح مسلمانوں کی ایک دیرینہ خواہش پوری ہوئی۔ جس کے لیے وہ سر سید کے زمانے سے کوشش کرتے چلے آرہے تھے۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی پرائیویٹ ممبر کی طرف سے پیش کیا جانے والا کوئی بل منظور ہوا ہو۔ اس بل پر کونسل کے غور کرنے کے دوران ہی جناح کی کونسل کی ممبر شپ کی معیاد ختم ہو گئی لیکن مسلمانوں کے پرزور مطالبے پر وائسرائے نے انہیں کونسل کا رکن نامزد کر دیا جس سے بل پاس کرانے میں آسانی ہو گئی۔ پریوی کونسل کی رائے کی پابندی ہندوستان کی ہر عدالت کے لیے لازمی تھی اور جب تک یہ نظیر قائم رہتی اس وقت تک وقف علی

الاولاد ناجائز ہی رہتا۔ پس اس نظیر کے اثر کو زائل کرنے کے لیے کسی قانون کا نافذ ہونا ضروری تھا اس لیے ایکٹ نمبر 6، 1913ء نافذ کیا گیا۔ اس قانون کا نفاذ قائداعظم محمد علی جناح کا مرہون منت ہے جن کی قابلیت اور ان تھک کوششوں سے یہ ایکٹ پیش ہو کر پاس ہوا۔[40]

قائداعظم کی علامہ اقبال کے ساتھ خط و کتابت میں اسلام کے معاشی نظام سے متعلقہ امور:

قائداعظم نے جنوری 1934ء میں دوبارہ مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی مسلم لیگ اس وقت تنظیمی لحاظ سے نہایت کس مپرسی کا شکار تھی قائداعظم نے اسے نئے سرے سے منظم کیا اور مسلمانوں کی سرپرست جماعت مسلم لیگ کے لیے محنت شروع کی۔ اسی دوران ہندوستان میں 1935ء کے ایکٹ کا نفاذ ہوا اور ملکی حالات میں ایسی تبدیلیاں رونما ہوئیں کہ مسلمانوں کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ وہ اپنے تشخص کو محفوظ بنانے کے لیے مسلم لیگ کا ساتھ دیں بصورت دیگر انہیں ہندوؤں کی غلامی اختیار کرنا پڑے گی۔

اس ایکٹ کے نفاذ سے ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے نئے دور کا آغاز ہوا۔ قائداعظم نے ملک کے مختلف حصوں کا دورہ کیا۔ مسلمانوں کو متحد اور متفق کرنے کے لیے مسلم لیگ میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ اس سلسلے میں وہ اپریل 1936ء میں لاہور تشریف لائے اور علامہ اقبال سے تعاون کی درخواست کی۔ علامہ اقبال کی صدارت میں مئی 1936ء میں پنجاب مسلم لیگ کی تنظیم نو کی گئی، اور علامہ اقبال قائداعظم کو خطوط سے آگاہ کرتے رہے ان خطوط کا دورانیہ مئی 1936ء سے مارچ 1938ء تک ہے اسی دور میں قائداعظم انتہائی تندہی سے مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بنانے میں مصروف تھے۔ ان خطوط کی مدد سے ان دو عظیم رہنماؤں کے خیالات کے بارے آگاہی ملتی ہے جو برصغیر کے مسلمانوں کی ترقی اور بہتری کے لیے رکھتے تھے اور "قائداعظم نے 23 مارچ 1940ء کی قرارداد لاہور کی منظوری پر اپنے سیکریٹری سے فرمایا آج اقبال ہم میں موجود نہیں لیکن اگر وہ زندہ ہوتے تو وہ یہ جان کر بہت خوش ہوتے اور ہم نے ایسے ہی کیا جس کی وہ ہم سے خواہش کرتے تھے"۔[41]

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس دور میں علامہ اقبال نے جو خطوط قائداعظم کو لکھے ان میں مسلمانوں کی اصلاح اور ترقی کے لیے دونوں کی رائے ایک جیسی تھی۔ جیسا کہ قائداعظم نے ان خطوط کے شائع ہونے پر تعارف کے طور پر لکھا کہ میرے نزدیک یہ خطوط زبردست تاریخی اہمیت کے حامل ہیں بالخصوص وہ خطوط جن میں مسلم ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے بارے میں ان کے خیالات کا واضح اور غیر مبہم اظہار ہے۔ ان کے خیالات پورے طور پر میرے خیالات سے ہم آہنگ تھے اور بالآخر میں ہندوستان کے دستوری مسائل کے مطالعہ اور تجزیے کے بعد انہی نتائج پر پہنچا اور کچھ عرصہ بعد یہی

خیالات ہندوستان کے مسلمانوں کی اس متحدہ خواہش کی صورت میں جلوہ گر ہوئے جس کا اظہار آل انڈیا مسلم لیگ کی 23 مارچ 1940ء کی منظور کردہ قرارداد لاہور ہے جسے عام طور پر قرارداد پاکستان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔[42]

ان خطوط میں علامہ اقبال نے 28 مئی 1937ء کے خط میں واضح انداز میں معاشی حوالے سے مسلمانوں کی حالت زار کا جائزہ لیا ہے اور اس کا حل بھی پیش کیا۔

"مسلمان محسوس کر رہے ہیں کہ گزشتہ دو سال سے وہ برابر تنزل کی طرف جا رہے ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ اس غربت کی وجہ ہندو کی ساہوکاری (سود خوری) اور سرمایہ کاری ہے۔ یہ احساس کہ اس میں غیر ملکی حکومت بھی برابر کی شریک ہے، ابھی پوری طرح نہیں ابھرا..... سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی غربت کا علاج کیا ہے مسلم لیگ کا سارا مستقبل اس بات پر منحصر ہے کہ وہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے کیا کوشش کرتی ہے۔ خوش قسمتی سے اسلامی قانون کے نفاذ میں اس کا حل موجود ہے..... اسلامی قانون کے طویل و عمیق مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام قانون کو اچھی طرح سمجھ کر نافذ کیا جائے، تو ہر شخص کے لیے کم از کم حق معاش محفوظ ہو جاتا ہے، لیکن شریعت اسلام کا نفاذ اور ارتقاء ایک آزاد مسلم ریاست یا ریاستوں کے بغیر اس ملک میں ناممکن ہے۔ ان مسائل کا حل آسان طور پر کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ملک کو ایک یا زیادہ مسلم ریاستوں میں تقسیم کیا جائے جہاں پر مسلمانوں کی واضح اکثریت ہو"۔[43]

1935ء کے ایکٹ کے بارے میں علامہ اقبال اپنی رائے کا اظہار ایک اور خط میں اس طرح کرتے ہیں۔

"میرے ذہن میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں کہ یہ دستور ہندوستانی مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے کے لیے بنایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ اقتصادی مسئلہ کا بھی حل نہیں ہے جو مسلمانوں کے لیے بہت زیادہ جانکاہ بن چکا ہے"۔[44]

اسی خط میں دوبارہ الگ مسلم مملکت کے قیام کا تصور دیتے ہیں۔ "مسلم صوبوں کے ایک جداگانہ وفاق کا قیام اس طریق پر جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے صرف واحد راستہ ہے جس سے ہندوستان میں امن و امان قائم ہو گا اور مسلمانوں کو غیر مسلموں کے غلبہ و تسلط سے بچایا جا سکے گا"۔[45]

اسی عرصہ میں قائداعظم نے ایسے ہی خیالات کا اظہار اپنے خطبات میں کیا۔ لکھنؤ اکتوبر 1937ء کے اجلاس میں انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو اس طرح جگایا۔

"خواتین و حضرات: آل انڈیا مسلم لیگ کی گزشتہ تیس سالہ زندگی میں یہ اجلاس بے حد اہم اور نہایت ضروری ہے۔ جس پروگرام اور پالیسی کی تشکیل کے لیے آپ کو دعوت دی گئی ہے، اس پر مسلمان ہند اور ملک کے مستقبل کا انحصار ہے۔ میں ہندوستان کے ہر شہر، تحصیل، ضلع اور صوبے کے مسلمانوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ عوام کے بہبود و فلاح کے لیے تعمیری اور ترقی پسندانہ پروگرام بنائیں اور مسلمانوں کی معاشرتی اقتصادی اور سیاسی ترقی کے لیے مناسب ذرائع اور

وسائل اختیار کریں اور اپنے اندر اخوت و رفاقت کے جذبات پیدا کرو۔ اپنے ملک اور قوم کے لیے وفا اور دیانتداری کے ساتھ بے لوث قربانیاں کرو، مشقت اور قربانی کے بغیر کوئی فرد اور کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی"۔[46]

16 جنوری 1938ء گیا (بہار) میں مسلم لیگ سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:

"اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ وہ ضابطہ حیات ہے جس کا دنیا بھر میں کوئی بدل نہیں۔ یہ قانونی، معاشرتی اور اقتصادی امور پر حاوی ایک مکمل نظام ہے"۔[47]

قائداعظم نے مسلمانوں کی اقتصادی حالت کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا "مسلمان اقتصادی حیثیت سے دیوالیہ، معاشی اعتبار سے صفر اور تعلیمی لحاظ سے تاحال مبتدی ہیں اگر مسلمان اپنا صحیح مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر انہیں اس کی اہلیت پیدا کرنی ہے۔ ان مسائل کی پیچیدگیوں کو سمجھنا اور ان کی تحقیق کرنا چاہیے۔ جو انہیں درپیش ہیں"۔[48]

قائداعظم کی جدوجہد کے اس مرحلے کا اختتام قرارداد لاہور کی منظوری ہے۔ یہ قرارداد آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور میں پیش کی گئی اور اجلاس نے اسے اتفاق رائے سے منظور کیا یہ اجلاس مارچ 1940ء کی 21 سے 23 تاریخ تک منعقد ہوا اور علامہ اقبال اور قائداعظم مسلمانوں کے لیے جس الگ مملکت کا خاکہ بنا چکے تھے اور مسلمانان ہند کو طویل جدوجہد کے ذریعے اس کے حصول کے لیے قائل کر چکے تھے اسی مملکت کو اب ایک واضح مطالبہ کی شکل میں سامنے لایا گیا اور مسلمانوں نے یکسو ہو کر اس مطالبے کی حمایت شروع کر دی جس پر کانگریس کی قیادت اور ہندوؤں نے سخت مخالفت شروع کر دی اور اس قرارداد کو قرارداد پاکستان کہنا شروع کر دیا اور جلد ہی مسلمانوں نے بھی اسے یہی نام دے دیا۔

تحریک پاکستان کی ابتداء اور معاشی پہلو پر قائداعظم کی توجہ:

قرارداد پاکستان کی منظوری اور اس کی مقبولیت سے قائداعظم کی تاریخ ساز جدوجہد کا آخری مرحلہ شروع ہوا اس مرحلہ میں مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بن گئی اور الگ آزاد وطن کا مطالبہ اس قدر زور پکڑ گیا کہ برطانوی حکومت اور کانگریس کی مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی شکل میں انہیں اپنا نصب العین عطا کر دیا اس مرحلہ میں قائداعظم کے افکار کا جائزہ لینے کے لیے ان کی مختلف تقاریر، بیانات اور انٹرویوز کا تجزیہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

1941ء میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن کے خطبہ صدارت میں قائداعظم نے فرمایا: "میں کوئی مولوی یا ملا نہیں ہوں، نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے، البتہ میں نے قرآن مجید اور اسلامی قوانین کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی، کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات سے باہر ہو"۔[49]

آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس منعقدہ 15 نومبر 1942ء میں قائداعظم نے وہ بصیرت افروز اور چشم کشا خطاب کیا جس کی ضیاباری سے آج بھی تاریخ پاکستان روشن ہے۔ قائداعظم نے فرمایا: "مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کا طرز حکومت کیا ہو گا؟ پاکستان کے طرز حکومت کا تعین کرنے والا میں کون ہوتا ہوں۔ مسلمانوں کا طرز حکومت آج سے تیرہ سو سال قبل قرآن کریم نے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا تھا۔ الحمدللہ، قرآن مجید ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا"۔[50]

قائداعظم کے اس بیان کا لب لباب یہ ہے کہ آپ کو کس قدر اسلام سے محبت تھی۔ آپ نے پاکستان کے لیے ایک ایسے جامع نظام حکومت کا تصور دیا کہ جس کی موجودگی میں مسلمانوں کے لیے کسی غیر اسلامی یا سیکولر سسٹم کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

4 جولائی 1943ء کو کوئٹہ میں بلوچستان مسلم لیگ سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا "سب سے اہم چیز تعلیم ہے۔ علم کی طاقت تلوار سے زیادہ ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لیے تگ و دو کیجئے۔ دوسری اہم چیز کاروبار اور تجارت ہے۔ جب تک کوئی ملک اقتصادی طور پر کمزور رہتا ہے وہ زندگی کی جنگ نہیں جیت سکتا"۔[51]

قائداعظم نے 17 ستمبر 1944ء کو گاندھی جی کے نام اپنے ایک خط میں تحریر فرمایا "قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے۔ اس میں مذہبی اور مجلسی، عسکری اور تعزیری، معاشی اور معاشرتی سب شعبوں کے احکام موجود ہیں"۔[52]

6 نومبر 1944ء دہلی میں مسلم لیگ پلاننگ کمیٹی کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ مال دار اور زیادہ مال دار ہو جائیں اور دولت چند ہاتھوں میں اکٹھی ہو جائے۔ ہمارا مطمع نظر یہ ہونا چاہیے کہ عوام کے معیار زندگی کے درمیان فرق دور کریں۔ ہمارا نصب العین اسلامی معیشت ہونا چاہیے نہ کہ سرمایہ دارانہ نظام۔ ہمیں ہمیشہ عوام کی فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھنا چاہیے"۔[53]

1947ء کو انتقال اقتدار کے موقع پر جب برطانیہ کی نمائندگی کرتے ہوئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی تقریر میں کہا کہ: میں امید کرتا ہوں کہ پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہو گا اور ویسے ہی اصول پیش نظر رکھے جائیں گے جن کی مثالیں اکبر اعظم کے دور میں ملتی تھیں، اس پر قائداعظم نے برجستہ فرمایا: "ہم پاکستانی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں ہی پاکستان کا نظام چلائیں گے"۔[54]

پریس کانفرنس، 14 جولائی 1947ء: "جب آپ جمہوریت کی باتیں کرتے ہیں تو مجھے شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ ہم نے جمہوریت تیرہ سو سال پہلے سیکھ لی تھی"۔[55]

حصول منزل کے بعد اسلامی نظام معیشت سے متعلق اقدامات:

جب پاکستان نئی اسلامی مملکت کی حیثیت سے منصہ شہود پر آیا تو حقائق کی دنیا میں بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ قائد اعظم جنہوں نے کئی سال سے متواتر اپنی بیماری کو قوم سے اس لیے پوشیدہ رکھا کہ پاکستان کی جدوجہد کو ترجیح حاصل رہے، ان کی جسمانی صحت کی خرابی بڑھتی جارہی تھی۔ انگریز اور ہندو دونوں نے پاکستان کی نوزائیدہ مملکت کے لیے بہت سے مسائل کھڑے کر دیئے۔ مالی مشکلات کا شکار پاکستان، دفاعی لحاظ سے بھی کمزور تھا ساتھ ہی کشمیر کے الحاق کا مسئلہ اور ہندوستان کا جارحانہ رویہ۔ لاکھوں مہاجرین کی آبادکاری الگ لحاظ سے بہت بڑی آزمائش تھی ایسے میں اسلامی مملکت کے قیام کے لیے ضروری اقدامات جو ترجیحاً کرنے چاہیے تھے فرد واحد کے لیے کرنا مشکل ہو گیا۔ مسلم لیگ کے زعماء کی باہمی آویزش نے شروع سے ہی دستوری جدوجہد کو رکاوٹ ڈال دی۔ پنجاب میں مسلم لیگ کے اکثر لیڈر یونینسٹ پارٹی کا پس منظر رکھتے تھے۔ کراچی میں دارالخلافہ میں وزیر اعظم لیاقت علی خان کا حلقہ مہاجرین پر مشتمل تھا۔ مسلم لیڈروں نے مشرقی پاکستان سے سیاسی جدوجہد میں زیادہ حصہ لیا تھا۔ قائد اعظم نے اس صورت حال میں صوبائی عصبیت کے خاتمے، ملکی دفاع اور دیگر اہم مسائل پر توجہ دی، ساتھ ہی اسلامی مملکت کے قیام اور اسلام کے معاشی نظام کے نفاذ کے لیے بھی کوششیں جاری رکھیں اور دم آخر تک جدوجہد میں مصروف رہے۔ اس کا اندازہ آپ کی زندگی کے آخری سال کے ارشادات سے کیا جاسکتا ہے۔

کراچی میں 11 اکتوبر 1947ء کو سول اور فوجی افسران سے خطاب میں قائد اعظم نے فرمایا: "پاکستان کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنی مملکت میں آزاد لوگوں کی طرح زندگی بسر کر سکیں اور اپنے اصولوں اور تہذیب کے مطابق ترقی کر سکیں۔ یہ ایک ایسا ملک ہو جہاں معاشی انصاف کے اسلامی اصول مکمل طور پر لاگو ہوں"۔[56]

پشاور کے اسلامیہ کالج میں بانی پاکستان نے 13 جنوری 1948ء کو تقریر کرتے ہوئے فرمایا: "ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا بلکہ ہم ایسی جائے پناہ چاہتے تھے جہاں ہم اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں"۔[57]

26 مارچ 1948ء چٹاگانگ میں عوام کے اجتماع سے خطاب: "پاکستان کی بنیاد معاشرتی انصاف اور اسلامی مساوات پر قائم ہونی چاہیے۔ میں سب کے لیے مساوی مواقع کے مطالبے کی حمایت کرتا ہوں۔ یہ مقاصد متنازعہ نہیں ہیں کیونکہ ہم نے انہی کے لیے پاکستان کا مطالبہ کیا اور طویل جدوجہد کے بعد اسے حاصل کیا تاکہ دنیاوی اور روحانی طور پر ہم اپنی روایات اور طرز فکر کے مطابق اپنے معاملات چلا سکیں"۔[58]

سٹیٹ بینک آف پاکستان کی افتتاحی تقریب یکم جولائی 1948ء میں قائد اعظم نے مغرب کے اقتصادی نظام پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا: "اگر ہم نے مغرب کا معاشی نظریہ اور نظام ہی اپنا لیا تو عوام کی خوشحالی حاصل کرنے کے لیے

ہمیں کوئی مدد نہ ملے گی۔ ہمیں دنیا کے سامنے ایک مثالی معاشی نظام پیش کرنا ہے جو انسانی مساوات اور معاشی انصاف کے سچے اسلامی تصورات پر قائم ہو"۔[59]

قائداعظم کے ان ارشادات سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی کہ وہ پاکستان کو خاص اسلامی مملکت کی حیثیت سے اقوام عالم کے سامنے لانا چاہتے تھے، اس مملکت کا معاشی نظام خاص طور پر اسلامی اصولوں اور تصورات کے مطابق استوار کرنا چاہتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد جو ایک سال آپ کو ملا اس میں بے شمار مشکلات سے نبرد آزما ہوتے ہوئے بھی وہ اپنے مقصد کو نہ بھولے اور اپنی آخری سرکاری تقریب جس میں سٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح کیا انہوں نے واضح انداز میں نئی مملکت کے لیے معاشی نظام کو اسلامی تصورات کے مطابق بنانے کا حکم دیا۔

ان حالات میں ترتیب وار مندرجہ ذیل اقدامات کی ضرورت تھی۔

(الف) دستور ساز اسمبلی باقاعدہ قرارداد منظور کرے اور اعلان کرے کہ نئی مملکت اسلامی مملکت ہے اور اس کا دستور قرآن وسنت کے مطابق بنایا جائے گا۔(یہ مرحلہ قرارداد مقاصد کی منظوری کی صورت میں مارچ1949ء میں پورا ہوا)۔(ب) ملک کا دستور قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق تشکیل دیا جائے۔

(ج) نئے دستور کے مطابق جمہوری بنیادوں پر انتخابات کرائے جائیں تاکہ عوام اسلامی شرائط پر پورا اترنے والے امیدواروں کا چناؤ کر سکے۔

(د) منتخب شدہ حکومت اپنے ذرائع اور وسائل استعمال میں لائے اور اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی اصطلاح کا کام کرے تاکہ مکمل اسلامی نظام کے نافذ کرنے میں مدد ملے۔

اس دوران ستمبر 1948ء میں قائداعظم کی وفات کا سانحہ پیش آیا۔ دینی حلقوں نے اپنے مطالبات کو نئے سرے سے بھرپور انداز میں اٹھایا کیونکہ یہ خطرہ درپیش تھا کہ حکمران جماعت میں سیکولر ذہن رکھنے والے لوگ ریاست کو سیکولر کا درجہ ہی نہ دے دیں۔ اس کے نتیجہ میں 12 مارچ1949ء میں قرارداد مقاصد منظور کر لی گئی جس کی منظوری میں مولانا شبیر احمد عثمانی اور دیگر علماء نے اہم کردار ادا کیا اسی دور میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے ایک دستوری خاکہ تیار کرنے کی کوشش کی جس کی تیاری کے لیے سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی اور ڈاکٹر حمید اللہ کو بلایا گیا۔ سید سلیمان ندوی تو نہ آسکے باقی حضرات نے مقامی علماء کے ساتھ مل کر ابتدائی مسودہ تیار کیا لیکن یہ کام آگے نہ بڑھ سکا۔

مولانا ظفر احمد انصاری جو قرارداد مقاصد کی تیاری اور منظوری کے کام میں شامل تھے ان کے بیان کے مطابق وزیر خزانہ ملک غلام محمد نے واضح طور پر قرارداد مقاصد اور اسلامی دستور کے خلاف رائے دی کچھ اور ارکان نے بھی سیکولر خیالات کا اظہار کیا۔ جس پر مولانا شبیر احمد عثمانی نے سخت رویہ اپنایا اور بالآخر وزیر اعظم لیاقت علی خان کی مداخلت سے

قرارداد مقاصد منظور ہو گئی۔ اس دوران پورے ملک سے عوام کی طرف سے اسمبلی کے سپیکر کے پاس خطوط، پوسٹ کارڈز اور تاریں بھجوائی جارہی تھیں کہ مملکت پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کیا جائے۔ آج 73 سال گزرنے کے بعد بھی قرارداد مقاصد پاکستان کے آئین کا لازمی جزو ہے اور اس کے دیباچہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس قرارداد کی موجودگی میں مملکت پاکستان میں کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جاسکتا جو قرآن وسنت کے منافی ہے۔

قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد سیکولر طبقہ خاموشی سے نہ بیٹھا اسمبلی کے بعض ممبران نے اسمبلی میں ہی تقریریں کیں اب وہ شرم کی وجہ سے اہل مغرب کو منہ نہیں دکھا سکتے اقلیتی ممبران خصوصاً ہندو اراکین نے اسے خطرہ قرار دیا اور ایک لحاظ سے اسلام پسند طبقہ اور سیکولر طبقہ کی کشمکش واضح انداز میں سامنے آگئی۔

یہ ساری جدوجہد قائداعظم کی وفات (ستمبر 1948ء) پر پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکی مگر جن بنیادوں پر کام جاری تھا اسے بڑھانے کے لیے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے اسلامی تعلیمات کا بورڈ قائم کیا اور دینی طبقہ اور اسلامی مملکت کے قیام کے حامی لوگوں نے مارچ 1949ء میں اسمبلی میں قرارداد مقاصد منظور کرالی۔ تاریخ پاکستان کے ہر دور میں اس قرارداد کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے اور یہ 1956ء، 1962ء اور 1973ء میں بننے والے دساتیر میں بطور دیباچہ شامل رہی ہے لیکن بدقسمتی سے اس میں درج اسلامی دفعات کو مکمل طور پر نافذ نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے ملکی نظام بدامنی اور بدحالی کا شکار ہے اور جب تک ملکی سسٹم کو ٹھیک نہیں کیا جاتا اس وقت تک ملک ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا۔

خلاصۃ البحث:

قیام پاکستان کے پون صدی گزرنے کے باوجود وطن عزیز کو ہمہ جہتی مسائل کا سامنا ہے۔ بیرونی محاذ پر ازلی دشمن بھارت اور بڑی طاقتوں کی دشمنی درپیش ہے جو اس کے وجود کو برداشت نہیں کرتے۔ اندرونی محاذ پر سیاست دانوں ،عدلیہ اور فوج کی باہمی آویزش نے استحکام کو ایک خواب بنا دیا ہے اور محب وطن عوام اس صورت حال سے سخت پریشان ہے۔ جہاں تک معاشی استحکام کا تعلق ہے زیر نظر مقالہ میں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی معاشی فکر کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ وطن عزیز کے کارپردازوں کی توجہ اس جانب مبذول ہو سکے کہ یہ وطن عظیم قربانیوں کے عوض حاصل ہوا اور اس کے قیام کے بنیادی مقصد میں اسلام کے معاشی نظام کا نفاذ بھی ہے اور جب تک اسلام کا معاشی نظام نافذ نہیں ہو گا ملک عزیز کے معاشی مسائل کا حل بھی ممکن نہیں اور اس کا منفی اثر سیاسی عدم استحکام اور ملکی دفاع میں کمزوری اور باہمی منافرت کی صورت میں سب کے سامنے موجود ہے۔ پس بانیان پاکستان کی جدوجہد تب ہی پایہ تکمیل تک پہنچ سکتی ہے جب اس مملکت خداداد میں اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب حضرت محمد ﷺ کے احکام اور تعلیمات کے مطابق معاشی ڈھانچہ ترتیب دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس مرحلے کو ہمارے ملک کے لیے جلد از جلد ترقی سے ہمکنار کرے۔

نتائج البحث:

اس تحقیق سے مندرجہ ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

1- اس تحقیق سے ہمیں قائداعظم محمد علی جناح کی اعلیٰ تعلیم و تربیت اور مدبرانہ سوچ کے بارے میں معلوم ہوا ہے جو کہ ایک پرامن اور خوشحال معاشرے کے لیے جزولازمی کی حیثیت رکھتی ہے۔

2- اس تحقیقی کاوش کے ذریعے قائداعظم کے ایک اہم کارنامے کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ آپ نے انگلستان سے واپسی پر مسلمانوں کے شرعی مسئلہ وقف علی الاولاد کو قانونی حیثیت دلوادی۔

3- اس مقالہ سے تحریک پاکستان میں قائداعظم کا اہم کردار اور مسلمانوں کو معاشی طور پر مضبوط کرنے کی کوششوں کے متعلق آگاہی حاصل ہوئی ہے۔

4- حصول منزل کے بعد استحکام مملکت کے لیے اقدامات کے بارے میں رہنمائی حاصل ہوئی ہے۔

اور آخر میں اس ریسرچ کے توسط سے اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے قرارداد مقاصد کی منظوری، بنیادی حیثیت اور اہمیت کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

References

[1] Munshi Abdul Rehman Khan, Religion and Belief of Quaid-i-Azam, (Multan: Caravan Literature, 1986), P.23.

[2] Ejaz Ahmad, Our Quaid-e-Azam Founder of Pakistan Muhammad Ali Jinnah, (Lahore: Milestone Publications, 1976), P.16.

[3] Sayara Digest, Lahore, December 1974

[4] Munshi, Religion and Belief of Quaid-e-Azam, P.33.

[5] Ditto, P.33

[6] Ditto, P.33

[7] Ejaz Ahmed, our Quaid-e-Azam founder of Pakistan Muhammad Ali Jinnah, P.28.

[8] Munshi, Religion and Belief of Quaid-e-Azam, P.34.

[9] Syed Muhammad Aslam, Muslim Response to the West, Muslim Historiography in India, 1857-1914, (Islamabad: National Institute of Historical Cultural Research, 1988),P.18.

[10] Syed Nurullah, History of Education in India, (S.G. Wasani for Macmillan Company of India, 1974), 1:192-202

[11] Anis Ansari, Educational Backwardness of Muslims,(Economic & Political Weekly, 1992) Vol.XXVII, No.42, 18

[12] Naureen Talha, Economic Factors in the Making of Pakistan,(Islamabad: Quaid-e-Azam Uni ,1995), P.37.
[13] N. Ahmed, Muslim Separatism in British India, (Ferozsons, 1991), P.7-13.
[14] Syed Abdul Wahid Moini, M. Abdullah Qureshi, Essays of Iqbal, (Lahore: Aina Adab, Anar Kali, 1988), P.180.
[15] Ditto, P.180
[16] Allama Iqbal, Economics, (Lahore: Iqbal Academi Pakistan, 2002), P.158.
[17] Maulana Syed Ameer Ali, Fatawa Alamgiri, (Lahore: Farid Book Stall, Urdu Bazar), 4: 60.
[18] Al-Qur'an, 2:177.
[19] Mufti Muhammad Taqi Usmani, Easy Translation of the Qur'an, (Karachi: Maktaba Ma'arif al-Qur'an), 2: 177.
[20] Al-Qur'an, 2: 215.
[21] Imam Ahmad Raza Khan, Kanzal-e-Iman fi Tarjmat al-Qur'an, (Lahore: Zia-ul-Qur'an Publications, 1968), 2: 215.
[22] Muhammad bin Ismail al-Bukhari, Al-Jami' al-Sahih, Kitab al-Zakah, Chapter La Sadaqat al-Zhar Ghani, (Beirut: Dar al-Qalam, 1981), 1: 192.
[23] Muslim bin Hajjaj al-Qashiri, Al-Jami' al-Sahih, Kitab al-Zakat, Chapter Fazl al-Nafqa, (Beirut: Dar al-Kitab), 1: 371 and Bukhari, Kitab al-Zakkat, Chapter al-Zakat Ali al-Husb and Orphans, 1: 198.
[24] Muhammad Bin Isa al-Tirmidhi, Jami al-Tirmidhi, Chapters of Zakat, Chapter Ma Jaya fi al-Sadaqat Ali Dhi al-Qarabah, (Beirut: Dar al-Gharb, 1998), 1: 142. Ahmad bin Shuaib al-Nasa'i, Sunan al-Nasa'i, Kitab Al-Zakah, Chapter Al-Sadaqat Ali Al-Aqrab, (Beirut: Dar al-Kitab Al-Alamiya, 1995), 1: 278. Muhammad Ibn Yazid Ibn Majah, Sunan Ibn Majah, Chapter Fazl al-Sadaqat, (Beirut: Dar al-Kitab al-Ilamiya, 1998), 134.
[25] Muslim, Kitab al-Zakat, Chapter Fazl al-Nafqa Ali al-Aqrabin, 1: 271.
[26] Joseph Schacht, An Introduction to Islamic Law,(Oxford: The Clarendon Press, 1964), 94- 96, Gregory C. Kozlowski, Muslim Endowments and Scociety in British India,(Cambridge Uni Press, 1985), 106ff
[27] Al-Sirajiyyah: or the Mahomedan Law of Inheritance, with a commentary by Sir William Jones, (Calcutta, 1792), 5
[28] Kozlowski, Muslim Endowments, P.46
[29] Ibid., P.91- 95
[30] Ibid., P.157- 162
[31] https://www.express.pk/story/948816/?amp=1
[32] Kozlowski, Muslim Endowments, P.91- 92, 96, 137-138

[33] Ibid., P.146- 150
[34] Ibid., P.139- 142
[35] Ibid., P.155
[36] Ibid., P.165- 168
[37] Ibid., P.168- 169
[38] Ibid., P.169- 172
[39] Ibid., P.178- 179
[40] Allama Shibli Nomani, Shibli Articles, (Azamgarh Hind: Ma'arif Press, Shibli Academy, 1999), 1: 82-103.
[41]M. Jahangir Alam, Iqbal's Letters to Jinnah, (Lahore: Zahid Bashir Printers, 1986), P.15.
[42] Ditto, P.35, 36.
[43] Ditto, P.48-50
[44] Ditto, P.53
[45] Ditto, P.54, 55
[46] Rais Ahmad Jafari, Khutbat Quaid-e-Azam, (Lahore: Maqbool Academy, 1985), P.103.
[47] Dr. Zwar Hussain Zaidi, Sayings of Quaid-e-Azam, (Rawalpindi: Sigma Press, 2007), P.36
[48] Ditto, P.154, 155
[49] Ditto, P.87
[50] https://www.islamtimes.org/ur/article/768291
[51] Zaidi, Sayings of Quaid-e-Azam, P.87.
[52] https://www.islamtimes.org/ur/article/768291
[53] Zaidi, Sayings of Quaid-i-Azam, P.47.
[54] Prof. Hamidullah Shah Hashmi, Fathers of the Nation, (Lahore: Istiqlal Press, 1976), P.200.
[55] Ditto, P.204.
[56] Zaidi, Sayings of Quaid-i-Azam, P.38.
[57] Hashemi, Fathers of the Nation, P.201.
[58] Zaidi, Sayings of Quaid-i-Azam, P.40.
[59] Ditto.